ڈاکٹر عطش دُرّانی

خطوط کی تحقیقی اہمیت

خلاصہ: سوال یہ ہے کہ خطوط پر کس حد تک تحقیقی انحصار کیا جا سکتا ہے۔ ان کے مضمر اور ظاہر عندیے میں تقابلی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس حوالے سے چند نکات بہت اہم ہیں۔ بطور بنیادی ماخذ، خطوط کی اصلیت، طبعی اور معنویاتی شہادت، متن، سیاق و سباق، بین السطور، ذاتی اور نجی حیثیت، متن کی خصوصیات، سیاق وسباق کی خصوصیات، ذاتی رائے اور بیان، غیر رسمی زبان، ادبی روایات کا عدم تسلسل، رسمی خطوط اور سیاق کی تشریح وغیرہ کے نکات بے حد توجہ کے طالب ہیں۔ شائع شدہ ادبی خطوط اشاعت کے مضمر عندیے کے باعث ترمیم و اضافہ/تبدیلی کے حامل ہوتے ہیں۔ جب کہ اُردو تدوین میں ظاہر عندیے کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ تحقیق میں ہر دو پر توجہ ضروری ہے۔

تحقیقی سوال: خطوط محض ذاتی اور کسی حد تک خفیہ یا غیر رسمی دستاویزات ہوتے ہیں۔ ان میں موجود کوائف کسی کا ذاتی خیال، بیان اور ورژن ہوتا ہے۔ جو عموماً تحقیقی نقطۂ نظر سے غلط اور فریب کارانہ ہوتا ہے۔ ایسے میں کوئی تحقیق کار ان پر کس حد تک انحصار کر سکتا ہے۔ خاص طور پر اردو تحقیق میں؟

مفروضہ اور فرضیہ: ہم یہ فرض کر رہے ہیں کہ اُردو زبان و ادب کی شخصیات نے سابقہ ادوار میں ایسے خطوط/مکاتیب ضرور تحریر کیے، جن میں ان کی مضمر (Implicit) خواہش ان خطوط کے بر سرِ عام ہونے یعنی شائع ہونے (زندگی میں یا بعد) کی تھی، چنانچہ انھوں نے جان بوجھ کر بعض حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کر رکھا تھا۔ یا پھر غالبؔ اور ابوالکلام آزاد جیسے ادیبوں نے بعد ازاں اپنے ان خطوط کو ایسی ترامیم و اضافے کے بعد شائع کیا، جو پہلے سے ان خطوط میں موجود نہ تھیں۔ ان سے فرضیہ یہ بر آمد ہوتا ہے کہ ان کی ظاہر (Explicit) خواہش (عندیہ) محض اپنے خیالات کی ترویج و اشاعت تھی اور مضمر (Implicit) خواہش (عندیہ) کے تحت اشاعت کے وقت خطوط کے متن میں تبدیلی۔ تحقیق میں ہر دو عندیے قابلِ توجہ ہیں۔ ایسے میں ان کے اصل خطوط اور عندیوں کی تقابلی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔

تحقیقی ادبیات: اس موضوع پر ابھی تک چند مختصر سطور ملتی ہیں۔ رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، غلام رسول مہر، رشید حسن خان اور خورشید الاسلام جیسے لوگوں نے اس فن پر روشنی تو ڈالی ہے مگر مضمر اور ظاہر پہلوؤں پر بحث نہیں کی۔ چنانچہ اس سلسلے میں جدید ترین معلومات فراہم کر کے اس مضمر اور ظاہر کا اجمالی تقابلی جائزہ لیا گیا ہے اور خطوط کی اسی اہمیت کی حدود طے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں صرف غلام رسول مہر نے مضمر (Implicit) خواہش (عندیہ) کی طرف اشارہ کیا ہے۔[1]

اُردو میں رجب علی بیگ سرور، غالب، سر سیّد، شبلی، شرر، ابوالکلام آزاد، محمد حسین آزاد، اکبر، اقبال، عبدالحق، جوہر، سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی، قاضی عبدالغفار، نیاز، جگر، فراق، منٹو، پطرس اور فیض جیسے کئی ادیبوں کے خطوط ادبی حیثیت سے شائع ہوئے۔ غالب کے خطوط کا اسلوب، شبلی اور اقبال کی علمیت، نیاز جیسے ادیبوں کی چاشنی، فیض کی

تشریحات یہ سب کچھ مضمر اور ظاہر عندیہ پیش کرتی ہیں۔ مگر عام طور پر خطوط کی تدوین، حواشی اور تعلیقات کے ساتھ کی جاتی ہے، جس میں یہ معلومات فراہم تو کی جاتی ہیں، مضمر اور ظاہر عندیوں پر بحث نہیں ہوتی۔

اصطلاحات: اس مقالے میں چند اصطلاحات وضع کی گئی ہیں۔ بعض اصطلاحات قارئین کے لیے مغالطہ انگیز ہوسکتی ہیں۔ اس لیے ان کو یہاں درج کر دیا گیا ہے۔

مضمر	Implicit
ظاہر	Explicit
سیاق وسباق	Context
بین السطور	Subtext
بیان	Version

نگارش: ''آثار و باقیات'' کے حوالے سے مختلف دستاویزی ریکارڈ پر مختصر سی عبارتیں جدید رسمیاتِ تحقیق (۲۰۰۵ء) میں شامل کی گئی تھیں[۲]۔

اس میں ذاتی ریکارڈ کے تحت ڈائریاں، خود نوشت، سوانح حیات، خطوط، وصیت نامے، معاہدے، لیکچر نوٹس، تقاریر کے مسودے، مضامین اور کتابوں وغیرہ کی صورت میں بھی دستیاب ہونے اور ذاتی طور پر لوگوں کے پاس موجود ہونے کا ذکر تھا۔ بعد ازاں یہ نکات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے کورس ''اصولِ تحقیق'' (ایم۔فل اُردو) میں بھی دہرائے گئے[۳] مگر ان کی جانچ پرکھ کی تفصیلات ہی تحقیق کے طالب علم کی تشفی کر سکتی ہیں۔ ان تفاصیل کی گنجائش ان کتابوں میں بہت کم تھی۔ خاص طور پر ادیبوں، شاعروں، فنکاروں، استادوں اور تحقیق کاروں کے ذاتی، علمی، ادبی خطوط کی جائزہ کاری اور تحقیق میں شمولیت قابلِ توجہ ہے۔

ذاتی خطوط کی تحقیقی اہمیت کے حوالے سے پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ خطوط ماضی کے بارے میں ہر دو شخصیات (کاتب ومکتوب الیہ) کے بارے میں اور خط لکھے جانے کے اوقات کے بارے میں کس طرح سے تحقیق کا دریچہ کھولتے ہیں۔ نیز یہ کہ ملنے والے خطوط کی اصلیت کیوں کر جانچی جا سکتی ہے؟

خط مواصلت کی ایک قدیم قسم ہے۔ یہ عموماً انتہائی نجی یا ذاتی، شوخ، جذباتی، موضوعی، واقعاتی اور مفصل امور کے حامل ہوتے ہیں۔ بعض ادیبوں نے خود ہی اپنے خطوط شائع بھی کروائے جو ترمیم و اضافے اور تدوین کے عمل سے بھی گزرے۔ ان کی اصلیت کے بارے میں پتا چلانا یعنی اصل مخطوطوں کو جانچنا بھی متنی تنقید کے حوالے سے قابلِ توجہ ہے۔ ایسے ذاتی خطوط کا مطالعہ ایسا آسان کام بھی نہیں کہ محض ان کی عبارت دیکھ کر، واقعات اور سنین جان کر ہم کوئی نتیجہ اخذ کر لیں۔ خطوط بھی ''متن'' کی ایک قسم ہوتے ہیں اور ان کی بھی مختلف تشریحات کی جا سکتی ہیں[۴]۔ ترمیم و اضافے کی ایک مثال ''غبارِ خاطر'' از ابوالکلام آزاد اور ''کاروانِ خیال'' سے دی جا سکتی ہے[۵]۔ اس کے علاوہ بھی ایسی بیسیوں مثالیں سامنے ہیں، لُبِ لباب یہ ہے کہ مضمر اور ظاہر عندیوں کا کوئی تقابل کیا جائے تو خطوط کی تحقیقی اہمیت واضح ہوگی۔

تحقیق میں بنیادی، ثانوی اور ثلاثی ماخذوں پر بحث جاری رہتی ہے۔ ایک ہی دستاویز کبھی بنیادی اور کبھی ثانوی قرار پاتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی دستاویز بنیادی قرار دی جاتی ہے تو کس بنا پر؟ فلوریڈا یونیورسٹی کے

پروفیسر رابرٹ اے ہیچ (Hatch) اس پر سوال اٹھاتے ہیں کہ ہم اسے کس بنا پر بنیادی ماخذ قرار دے رہے ہیں؟ کیا محض پہلی دستاویز ہونے کی بنا پر یا راست ثبوت کے طور پر؟ لیکن شاید اس مخصوص واقعے کی بنا پر جس کے لیے شواہد جمع کیے جا رہے ہیں؟ ہمیں صرف اس خط کی صحت، سند، افادیت اور معتبری سے تعلق ہوتا ہے۔ اس میں مکتوب نگار کا مقام اور مرتبہ بھی ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ ہر غیر مطبوعہ مراسلہ یا خط قابل توجہ نہیں ہوتا۔ وقت کے ساتھ ان کی اہمیت بدلتی رہتی ہے۔.... معما صرف یہ ہے کہ ان خطوط سے کئی کھانچے ابھرتے ہیں اور انھیں پُر کرنے کے لیے کئی اور شواہد درکار ہوتے ہیں۔ خاص طور پر معنویاتی یعنی مکتوب نگار نے کس لفظ سے کون سے معنی مراد لیے تھے اور اس کے عمومی معنی کیا ہیں؟ ان کے مابین فرق ہی ان کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔ متن، سیاق وسباق اور تحت متن یعنی بین السطور معانی [۶]۔

خطوط کو جانچنے کے لیے سب سے پہلے ان کے اصل ہونے کا جائزہ لینا اہم ہے۔ کینتھ ہلیر اینڈل ایک امریکی ڈیلر ہے جو خطوط، ڈائریاں اور دستاویز کی خرید وفروخت کا کام کرتا ہے، اس کے نزدیک جعل سازی کی سب سے بڑی پہچان سیاہی، کاغذ اور ڈاک ٹکٹ یا مہریں ہیں، جو اپنے زمانے کی قید میں ہوتے ہیں۔ مگر بعض اوقات ان سے بھی معلوم نہیں ہوتا (حتیٰ کہ مصنف کے طرزِ تحریر سے بھی نہیں) [۷]۔

بعد ازاں سب سے پہلے تو خطوط کے متن سے تعارف ہوتا ہے۔ اس سے کچھ اخذ کرنا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک ماہر سٹیون سٹوے (stowe) کی کتاب قابلِ توجہ ہے۔ اس نے خطوط اور ڈائریوں سے اخذ و استفادے کی حدود متعین کی ہیں [۸]۔ اس کے نزدیک:

۱۔ جہاں تک خطوط (اور ڈائریوں) کی تاریخی اہمیت کا سوال ہے، اس کے نزدیک یہ مصنف کی براہِ راست تخلیق ہونے کے باعث کچھ شواہد رکھتے ہیں۔ اس سے مصنف کی شخصیت کے خطوط بھی واضح ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیں ماضی اور ہمارے حال کے مابین فرق کا پتا چلتا ہے۔ زبان کی تبدیلیوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ ذات، سماج، تعلقات، کام، اور اَقدار کی نوعیت کا علم ہوتا ہے۔ مگر یہ سب اتنا سادہ نہیں کہ آپ انھیں بادی النظر میں جانچ لیں۔ یہ انتہائی ''نجی'' نوعیت کے ہوتے ہیں (حتیٰ کہ ان کے معنی بھی)۔ ان میں مصنف کا انتہائی نجی اور ذاتی نقطۂ نظر موجود ہوتا ہے۔ (اس لیے ان کے متن کو مختلف سمجھنا ضروری ہے) خط عام قارئین کے لیے نہیں ہوتا بلکہ ایک مخصوص قاری کے لیے ہوتا ہے۔ ان میں ذاتی اور سرکاری، غیر رسمی اور رسمی ہر قسم کے خطوط کے لیے یہی قاعدہ ہے۔ اس میں ذاتی دل چسپی، ثقافت، اقدار، تعلیم وغیرہ کے امور شامل ہوتے ہیں۔ ان میں ذاتی نکات پر اختلاف رائے ہوتا ہے۔ وہ کچھ چھپا رہے ہوتے ہیں اور کچھ بتا رہے ہوتے ہیں۔ (بتانے کی اہمیت بین السطور (sub-text) جائزے کے حوالے سے بڑھ جاتی ہے)۔ ذاتی خطوط مصنف کی توڑی مروڑی رائے بھی ہوسکتی ہے۔ ہم ان کی یہ ذاتی رائے عوامی کرنا چاہتے ہیں۔ (ان کی ذاتی تحریر کو ادبی تحریر قرار دینے پر مُصر ہوتے ہیں) دنیا کو دیکھنے کا ان کا اپنا نقطۂ نظر ہوتا ہے جو بعض اوقات ان کی عوامی/ ادبی تحریروں میں نظر نہیں آتا۔

۲۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ان خطوط کی خصوصیات ذاتی متن کی حیثیت سے کیا ہوتی ہیں؟ ان کی طبعی (کاغذ، سیاہی، طرزِ تحریر) حیثیت سے ماورا کچھ اور خصوصیات بھی ہوتی ہیں لیکن یہ طبعی اور مادّی خصوصیات بھی ہمیں مصنف کی شخصیت اور دَور کا پتا دیتی ہیں کہ وہ کیسا قلم، کاغذ، نب، سیاہی استعمال کرتے تھے اور خطوط کو کس طرح سے تہ کرتے تھے۔ مگر سب سے بڑی بات سنین اور

تواریخ کی ہے۔(خاص طور پر ہجری)۔خطوط کی تاریخِ مراسلت اور تاریخِ وصولی کا تقابل کرنا اکثر نظر انداز ہو جاتا ہے۔اسی میں خطوط کی تاریخی اہمیت پوشیدہ ہے۔

۳۔ تیسرا نکتہ خطوط میں موجود کردار اور بیان کردہ نکات کا پلاٹ ہیں۔مکتوب نگار خود کو اور اپنے مکتوب الیہ یا دیگر کرداروں کا تعارف نہیں کروا رہے ہوتے۔کیوں کہ ان کے لاشعور میں کسی اور مکتوب الیہ یا قاری کا تصور نہیں ہوتا بلکہ چند کرداروں کو وہ ان کے لقب،عرف یا اپنے دیے گئے نام سے پکار رہے ہوتے ہیں۔

۴۔ چوتھا نکتہ واقعات،تعلقات اور ذات کو نجی انداز میں بیان کرنے کا ہے۔مکتوب الیہ ہر بات کو اپنے عدسے سے بڑا یا چھوٹا کرتا ہے۔اس کا انحصار واقعات کی ذاتی اہمیت،تعلقات کی نوعیت اور اپنے تاثرات پر ہوتا ہے۔یہاں مکتوب الیہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔مصنف ایک ہی واقعے کو مختلف مکتوب الیہان کو مختلف انداز سے لکھ سکتا ہے۔اس لیے محض ایک آدھ خط سے کوئی شہادت برآمد نہیں ہوتی تا آنکہ اس سے متعلق تمام یا زیادہ تر خطوط کو نہ دیکھ لیا جائے۔

۵۔ پانچواں نکتہ غیر رسمی (Informal) زبان استعمال کرنے کا ہے،جسے عام طور پر بازاری یا سلینگ کا نام دیا جاتا ہے،ذاتی خطوط میں ان کا استعمال عام ہے۔چنانچہ معنی کا تعین کرنے کے لیے سلینگ کے دَور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

۶۔ چھٹا نکتہ ادبی روایات کے عدم تسلسل کا ہے۔انتخابِ لفظی،اسلوب کاری اور لسانیاتی جھول ذاتی خطوط کا خاصہ ہوتے ہیں۔اس لیے مکتوب نگار اکثر انھیں توڑ مروڑ کر استعمال کر رہا ہوتا ہے۔وہ کسی طے شدہ ہیئت سے انحراف ضروری سمجھتا ہے۔اپنے مقصود ومنتہا اور دلائل،موڈ اور انداز کو ترجیح دیتا ہے۔آسانی اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے مگر اپنے بیان یا ورژن کی حد تک۔اس لیے کبھی وہ لکھتے لکھتے کسی گزشتہ بات کو پھر سے بیان کرنے لگتا ہے اور کبھی اس کے آخری منطقی نتیجے یا خواہش کو شروع ہی میں لکھ دیتا ہے۔خطوط میں اکثر معذرت خواہانہ اور غیر رسمی رویہ ہوتا ہے اس لیے اسے کسی ادبی روایت کے تحت پرکھنا بے سود ہے۔

۷۔ ساتواں نکتہ رسمی،دفتری اور سرکاری خطوط کا ہے،جن کا ایک لگا بندھا طریقہ،ہیئت اور روایت ہوتی ہے۔یہ طرز ہر دَور میں بدلتا رہتا ہے،چنانچہ کسی ایسے خط کو اسی دَور کی روایت میں دیکھنا ہوتا ہے۔

۸۔ آٹھواں نکتہ سیاق وسباق (context) کی تعبیر کا ہے۔یہ بہت مشکل کام ہے۔خاص طور پر کسی عہد کی سیاسی، سماجی،ثقافتی،ادبی اور لسانی روایات کو بیک وقت ملحوظ رکھنا۔یہ تحریر کے بین السّطور میں جھانکنے سے بھی بڑھ کر ایک کام ہے۔ چنانچہ اسے کئی وسیع تر ماخذ کھنگالنے اور تقابل کرنے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔

اُردو تدوین میں ان میں سے بیشتر امور کو ملحوظ رکھنے کا کام آج بھی جاری ہے۔جیسے ڈاکٹر راشد حمید نے فیض بنام افتخار عارف [۹] میں اور ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بنام گیان چند جین [۱۰] میں کیا ہے۔خط پڑھے ہیں،لفظ شناسی،ابہام،تقابل یا موازنہ،ذات،اخفا،انا،نجی حیثیت،لسانی وسماجی،سیاسی وثقافتی پس منظر بہت سے امور ملحوظ رکھے جاتے ہیں لیکن یہ اسی روایت کا تسلسل ہے،جس میں مکتوب نگار کے ظاہری مقصود کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے اور شاذ ہی اس کے مضمر مقصود پر توجہ دی جاتی ہے۔تدوین کی بات دوسری ہے مگر خطوط کی دستاویزی حیثیت پر تحقیقی کام کرنے والوں کو یہ دونوں مقصود (عندیے) پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ غلام رسول مہر، علم و ادب میں خطوط کا درجہ، ''نقوش'' مکاتیب نمبر، جلد نمبر ا، لاہور، نومبر ۱۹۵۷ء، ص: ۱۳۔

۲۔ ڈاکٹر عطش درانی، جدید رسمیاتِ تحقیق، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۳۵۔

۳۔ اصولِ تحقیق، جلد دوم، کورس کوڈ نمبر ۶۷۴۴، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء۔

4- Apostolakou,Lito,Letters as Primary Documents at website-
http://historicalmethodology.suite101.com/article.cfm/letters-as-primary.....

۵۔ دیکھیں: زمزمۂ محبت، (مرتبہ: عطش درانی)، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص: ۲۰، ۲۴

6- Hatch, Robert A., Dr., Reading Primary Sources, at website:
http://www.clas.ufl.edu/users/ufhatch/pages/02-TeachingResources...

7- Naifeh, Steven and Gregory White Smith, The Mormon Murders, A True Story of Forgery, Deceit and Death, St.Martin, 2005, pp-169-170-338

8- Stowe,Steven, Making Sense of Letters & Diaries (Published online) July 2002,
http://historymatters,gmu.edu/mse/letters/.

۹۔ دیکھیں: ڈاکٹر راشد حمید، فیض بنام افتخار عارف، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء۔

۱۰۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بنام گیان چند، ''معیار''، شمارہ ۵، اسلام آباد۔

فہرست اسنادِ محولہ:

۱۔ حمید، راشد، (۲۰۱۱ء)، ''فیض بنام افتخار عارف''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔

۲۔ درانی، عطش، (۲۰۰۵ء)، ''جدید رسمیاتِ تحقیق''، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۳۔ درانی، عطش، (۱۹۷۳ء)، ''زمزمۂ محبت''، مکتبہ میری لائبریری، لاہور۔

۴۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، (۲۰۰۹ء)، ''اصولِ تحقیق''، دوسری جلد، کورس کوڈ نمبر ۶۷۴۴، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

رسالہ:

ناشاد، ارشد محمود، (جولائی تا دسمبر ۲۰۱۰ء)، مکاتیبِ گیان چند بنام رفیع الدین ہاشمی، ''معیار'' شمارہ ۴، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔